حضرت محمد مصطفی ﷺ کامل مؤحد تھے۔
وہ دن نزدیک ہیں کہ سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ ستمبر ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۴﴾ (البقرہ:۱۶۴)

پھر فرمایا:۔

توحید کے بیان سے متعلق جو خطبات کا سلسلہ جاری ہے۔اس سلسلے میں آگے مضمون کو بڑھانے سے پہلے اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ آج بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مختلف ممالک میں مختلف اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں یا عنقریب ہونے والے ہیں۔ان سب نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ان میں یہ کا نام بھی اس خطبے میں آجائے۔جو پیغام انہوں نے مانگا ہے پیغام تو وہی پیغام ہے۔پیغام واحد ہے یعنی توحید کے مضمون سے تعلق رکھنے والا پیغام۔اس ضمن میں کسی اور پیغام کی کوئی ضرورت نہیں،سب سے اعلیٰ،سب سے یکتا پیغام،توحید ہی کا پیغام ہے جو گزشتہ خطبات میں بھی میں جماعت کو دے رہا ہوں۔آئندہ خطبات میں بھی دیتا رہوں گا۔

لجنہ اماء اللہ فرانس کا آٹھواں نیشنل اجتماع ۳ ستمبر سے منعقد ہو رہا ہے۔مجلس انصار اللہ شیخو پورہ کا سالانہ اجتماع ۳ ستمبر کو شروع ہو رہا ہے یعنی آج۔مجلس انصار اللہ ضلع کراچی کا سالانہ اجتماع تین دن بعد یعنی ۶ ستمبر کو شروع ہو گا لیکن انہوں نے بھی آج ہی پیغام کی خواہش کا اظہار کیا

ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ ضلع ملتان کا سالانہ اجتماع ۳۰، ۳۱؍اگست کو منعقد ہو رہا ہے۔ اللہ ان سب اجتماعات کو مبارک فرمائے۔ اس میں شامل ہونے والوں کو ہر لحاظ سے شمولیت کی برکات عطا فرمائے اور جو کچھ فیض وہ ان اجتماعات سے حاصل کریں اپنے دلوں میں اس فیض کی حفاظت کریں جس طرح بارش کے پانی کو بعض دفعہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے اس طرح اجتماعات کے فیض کو بھی سنبھال کر رکھنا چاہئے اور سارا سال ان کے فیوض سے سیراب ہونا چاہئے۔

گزشتہ خطبے میں میں ذکر کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کی جو برکات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں اس کا الرَّحۡمٰنُ اور الرَّحِیۡمُ ہونا خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے۔ وَ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ تمہارا ایک ہی خدا ہے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی ہے جو الرَّحۡمٰنُ ہے اور وہی ہے جو الرَّحِیۡمُ ہے۔ رحمانیت کا جو سب سے بڑھ کر اعجاز ہم نے اس دنیا میں دیکھا تھا وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء:۱۰۸) کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ اس سے پہلے ساری کائنات رحمانیت ہی کا جلوہ دکھاتی رہی مگر وہ جلوہ خاموش جلوہ تھا جس کی کوئی زبان کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی۔ نہ سننے کے کان تھے، نہ دیکھنے کی آنکھیں۔ پس وہ خاموش جلوہ ارب ہا ارب سال تک دنیا سے بے پرواہ اور دیکھنے والوں سے مستغنی ہو کر کائنات میں ظاہر ہوتا رہا۔ یہ جلوہ دیکھنے والے انسان کے وجود میں آنے کے بعد پیدا ہوا اور اس جلوے کو سمجھنے والے انسان کے وجود میں آنے کے بعد تخلیق کیا گیا۔ لیکن اس سے پہلے فرشتے بھی تو تھے اور بھی بہت سی قسم کی مخلوقات تھی جو ان جلووں کا نظارہ کیا کرتے تھے مگر یہ جلوے کچھ اور مقصد رکھتے تھے جن سے وہ ناآشنا تھے۔ پس اس لئے میں نے ملائکہ کا ذکر پہلے نہیں کیا جن جلوؤں کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ وہ جلوے ہیں جو انسان کے لئے مخصوص تھے۔ جن کا ملائکہ کو علم نہیں دیا گیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے آخر خدا کے حضور اپنی لاعلمی کا اقرار کیا۔ ان جلوؤں کا معراج حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسی لئے آپؐ کو تمام انبیاءؑ میں سے تنہا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کا خطاب دیا گیا اور آپؐ ہی کو قرآن کا علم بخشا گیا۔

پس قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۲﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ ﴿۵﴾ (الرحمٰن: ۲-۵) الۡاِنۡسَانَ سے مراد

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ یعنی انسان کامل جو ہیں وہی اوّل صورت میں اس آیت کے مصداق ہیں آپؐ ہی کو قرآن کا علم عطا فرمایا گیا، آپؐ ہی کو وہ بیان عطا کیا گیا جس کے نتیجے میں قرآن کا عرفان ساری دنیا میں ہمیشہ ہمیش کے لئے جاری وساری ہوا۔

پس رحیمیت کے جلوے کے نتیجے میں قرآن کو ہمیشہ باقی رکھنے کا انتظام فرمایا گیا ہے کیونکہ رحیمیت کا جلوہ ایک جاری جلوہ ہے جو بار بار ظاہر ہوتا ہے اور ایسا جلوہ ہے جس کے نتیجے میں ہر محنت کرنے والے کو اس کی محنت کا پھل اس کی محنت سے بڑھ کر عطا کیا جاتا ہے۔ پس کائنات میں یہ جلوہ جاری تھا لیکن روحانی دنیا میں آنحضرت ﷺ کی صورت میں جیسے یہ جلوہ ظاہر ہوا ہے اس سے پہلے کبھی اس طرح ظاہر نہیں ہوا تھا۔ تمام انبیا رحمانیت کے مظہر ہیں، تمام انبیاء رحیمیت کے مظہر ہیں لیکن ان کے ادوار مختصر تھے اور ان کا دائرہ کار مختصر تھا۔ عالمی طور پر رحمت بن کے پہلے کوئی نہ آیا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے باقی رہنے والی رحمت بن کر اس سے پہلے کوئی نہ آیا تھا۔ پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر دائماً درود بھیجنے چاہئیں کیونکہ آپؐ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی توحید کا وہ جلوہ ہم نے دیکھا اور ہمیشہ دیکھتے رہیں گے جسے میں رحمانیت کے نام سے آپ کو متعارف کروا رہا ہوں یعنی قرآن نے متعارف کروایا اور رحیمیت کے طور پر میں آپ کو یہ جلوہ دکھا رہا ہوں جو قرآن نے ہمیں دکھایا۔

اس ضمن میں میں چند روایات آپ کے سامنے گزشتہ خطبے میں پیش کر رہا تھا جن کا تعلق عظیم الشان قربانیوں سے تھا ایسی قربانیاں جو خالصۃً توحید کی خاطر پیش کی گئیں اور وہ قربانیاں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے غلاموں نے پیش فرمائیں اور میں آپ کو بتا رہا تھا کہ یہ قربانیاں دنیا میں توحید کی گواہ بن گئیں کیونکہ محض منہ سے توحید کا اقرار کچھ حقیقت نہیں رکھتا اور قربانیاں پیش کرنا محض زبانی توحید کے اقرار سے میسّر نہیں آسکتا۔ قربانیوں کا گہرا تعلق گہرے عرفان اور گہری وفا سے ہے۔ پس جب تک حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے توحید کو گویا ان کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر کر کے نہ دکھا دیا۔ اپنے وجود میں بھی اور خدا کے وجود میں بھی، جو مسلسل توحید کے جلوے آپؐ کی ذات پر ظاہر ہوتے رہے۔ ان کا نمونہ جب تک ایک زندہ نمونے کے طور پر اپنے صحابہؓ کے سامنے نہیں رکھا اس وقت تک وہ صحابہؓ گواہ بننے کی اہلیت حاصل نہیں کر سکتے تھے اور گواہی وہ جو خون سے لکھی گئی، گواہی وہ

جو مسلسل صبر و رضا کے ساتھ دم بہ دم بہتے ہوئے خون سے جو قربانیوں کی صورت میں مسلسل زندگی بھر ان کی ذات سے بہتا رہا اس خون سے لکھی گئی۔ یہ وہ گواہی ہے جو حقیقت میں سچی گواہی کہلانے کی مستحق ہے۔ انہی معنوں میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کو سب شہیدوں سے بڑھ کر شہید بنایا گیا اور تمام انبیاءؑ کی شہادت پر آپ ﷺ کی شہادت کو فوقیت دی گئی اور انہی معنوں میں وہ زندہ شہید بھی تھے جو حضور اکرم ﷺ کے وجود سے برکتیں پا رہے تھے اور وہ شہداء بھی تھے جنہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ان نیتوں کو پورا کر دکھایا جو توحید کی خاطر وہ دلوں میں باندھے بیٹھے تھے۔ پس وہ قربانیوں کا دَور ایک عظیم دور ہے جو توحید پر ایسا گواہ ٹھہرا ہے کہ قیامت تک اس کی گواہی کا اثر مٹ نہیں سکتا اور اسی گواہی کے اثر سے ہم لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں۔

اب میں آپ کو توحید سے متعلق کچھ اور باتیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں بتانی چاہتا ہوں کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو جو عرفان خدا کا نصیب ہوا اس کی کوئی اور مثال دنیا میں موجود نہیں لیکن حضرت محمد مصطفی ﷺ کا جو عرفان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نصیب ہوا اس کی بھی کوئی اور مثال دنیا میں دکھائی نہیں دے سکتی۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے لے کر اب تک تمام اہلِ عرفان کی تحریروں کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی ﷺ کا جو عرفان نصیب ہوا ہے جو آپؑ کی تحریروں سے ظاہر و باہر ہے اور چھلک رہا ہے جس میں آپؑ کی تمام تحریریں سموئی ہوئی ہیں۔ ویسا عرفان آپ کو تمام ان تحریروں میں اجتماعی طور پر بھی دکھائی نہیں دے گا جو اس سے پہلے آپ کو اسلامی لٹریچر کی صورت میں ملتی ہے۔ یہ کوئی فرضی دعویٰ نہیں، کوئی بڑ نہیں ہے جس کا جی چاہے آ کے دیکھ لے، جس کا جی چاہے موازنہ کر کے دیکھ لے۔ اس قدر عشق اور محبت سے اور گہرے عرفان کے ساتھ جو ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر جاری ہوا وہ اجتماعی طور پر ان سب تحریروں پر بھاری دکھائی دے گا جو اس سے پہلے آپ کو اسلامی لٹریچر میں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ پس آپؑ کی ہی زبان سے آنحضرت ﷺ کی توحید کا ذکر بہت ہی پیارا ذکر معلوم ہوتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کس شان کے مؤحد تھے جو اس کی گہرائی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں ملتی ہے۔ وہ آپؑ کی مدد کے بغیر کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی، وہاں تک ہماری پہنچ نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک دفعہ یہ شعر بیان کیا تھا کہ

آئینہ تیری قدر کیا جانے
میری آنکھوں سے دیکھ تو کیا ہے

تمام دوسرے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے والے، مسیح موعودؑ کی تعریف کے مقابل پر آئینہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں وہ زندگی نہیں، وہ جان نہیں، وہ گہرائی نہیں، وہ عرفان نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نصیب ہوا مگر اس ذکر سے پہلے میں غار ثور کا واقعہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دشمنانِ اسلام آنحضرت ﷺ کی ہجرت کو بزدلی کی ہجرت قرار دیتے رہے اور آپؐ کے مکے کو چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کرنے کو ایک فرار قرار دیتے رہے۔ مگر غارِ ثور نے ہمیشہ ہمیش کے لئے یہ گواہی لکھ دی۔ یہ فرار کا سفر نہیں تھا۔ اگر تھا تو پھر بھی فرار الی اللہ کا سفر تھا، نہ خدا سے فرار کا سفر تھا، نہ شیطان بندوں کے شر سے فرار کا سفر تھا بلکہ خالصۃً اللہ کی تقدیر کے تابع یہ سفر اختیار فرمایا گیا۔

غار ثور میں جو واقعہ رونما ہوا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بندوں کے خوف سے فرار نہیں کر رہے تھے جس نے تیرہ سال انتہائی دکھوں میں زندگی بسر کی اور شدید سے شدید خطرات کا کامل بے پروائی اور بے نیازی سے مقابلہ کیا ہے۔ اوّل تو اس پر فرار کا الزام لگ ہی نہیں سکتا۔ وہ بے حیائی ہے ایسا الزام لگانا لیکن وہ دشمن جن کی زبانیں شیطان کے قبضے میں ہیں وہ ایسے الزامات لگانے سے باز نہیں آتے۔ غار ثور میں جو واقعہ ہوا ہے وہ بتاتا ہے کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا سفر فرار کا سفر نہیں تھا کیونکہ وہ لوگ جو آپؐ کا پیچھا کر رہے تھے۔ آپؐ کی جان کے دشمن یہ عزم لے کر مکے سے نکلے تھے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس سفر میں مدینہ پہنچنے سے پہلے پہلے جالیں اور ریگستان میں دو مسافر یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ ان کی نشاندہی کرنا کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ ریت پر چلتے ہوئے نشان بتا رہے تھے کہ کدھر کو یہ سواریاں گئی ہیں اور پھر کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں چھپ کر یہ دو آدمی اپنا پیچھا کرنے والوں کی نظر سے غائب ہو سکیں اس لئے کامل یقین اور عزم کے ساتھ آپؐ کے دشمن آپؐ کے پیچھے لگے اور غارِ ثور تک جا پہنچے۔ جہاں تک قدموں کے نشان ان کو لے گئے اور غارِ ثور میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت یہ عجیب واقعہ ہوا ہے کہ ان کے پاؤں نیچے بیٹھے ہوئے حضرت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ

کو دکھائی دے رہے تھے۔ وہ غار کے دہانے پر کھڑے تھے ان کے پاؤں دکھائی دے رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ بہت سخت گھبرائے مگر اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات کے لئے پریشان ہوئے کہ خدانخواستہ آپؐ کو گزند نہ پہنچے کیونکہ ظاہر صورت میں کوئی فرار کی راہ باقی نہ رہی تھی، نجات کا کوئی اور راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ دشمن اندھا نہیں تھا جس نے اس طرح نشانات کو پہچانتے ہوئے وہاں تک آپؐ کی پیروی کی۔ وہ دشمن پاگل نہیں تھا کہ جو جانتا ہو کہ غارِ ثور سے باہر نشان کسی اور طرف نہیں جا رہے اور یہاں آ کر ختم ہو جاتے ہیں اور پھر یہ سمجھیں کہ یہاں نہیں ہوں گے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر آنحضرتؐ نے آپ کو تسلی دی۔ (بخاری کتاب تفسیر القرآن حدیث نمبر: ۴۳۶۰) قرآن کریم اس واقعہ کو یوں بیان فرماتا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبہ:۴۱)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ اگر تم اس کی مدد نہ بھی کرو تو اس کو کیا فرق پڑ سکتا ہے؟ جس کا خدا مددگار ہو فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ خدا نے وہ مدد دکھا دی، کس طرح خدا مدد کیا کرتا ہے؟ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جبکہ اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنہوں نے انکار کیا تھا۔ اس آیت میں نکلنے کی ذمہ داری کلیۃً کفارِ مکہ پر رکھی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی کوئی خواہش نہیں تھی مکے کو چھوڑ کر جانے کی، آپؐ نکالے گئے تھے یعنی وہاں زندگی صرف اجیرن ہی نہیں کی گئی بلکہ جس مقصد کے لئے آپ ﷺ زندہ تھے اس مقصد کی راہ میں ایسی روکیں کھڑی کر دی گئیں کہ وہاں رہنا نہ رہنا برابر ہو گیا۔ اس رنگ میں آپؐ کو مکے سے اہل مکہ نے نکال دیا یعنی جس مقصد کی خاطر آپؐ بھیجے گئے تھے اگر وہ مقصد پورا نہ ہو تو آپؐ کی زندگی کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے تھے۔

پس عملاً آپؐ کو مجبور کر دیا گیا کہ اس جگہ کو چھوڑ کر ایسی جگہ جائیں جہاں آپؐ کھلے بندوں پیغام دے سکیں، جہاں پیغام سننے والوں کے دل اس پیغام کی طرف مائل ہوں۔ پس خدا کی تقدیر نے آپؐ کو بتایا کہ یہ وقت آ پہنچا ہے، مکے سے تمہیں کسی خیر کی توقع نہیں رہی۔ اب اس جگہ کو چھوڑ جاؤ۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ وہ دو میں سے ایک تھا جب وہ غار میں تھے۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ اس وقت وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا لَا تَحْزَنْ

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ہرگز غم نہ کرو اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ واقعہ کیا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کا کوئی قول قرآن مجید میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تسلی دلانا، مذکور ہے۔ وہ واقعہ بخاری میں یوں ملتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے بتایا کہ غار میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ میں تھا۔ میں نے مشرکوں کے قدم دیکھے تو عرض گزار ہوا یا رسول اللہ ﷺ! اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدم اٹھائے تو ہمیں دیکھ لے گا یعنی معمولی سا ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ ان کے اور ہماری راہ میں اب کوئی اوٹ حائل نہیں رہی۔ قدم کی ذراسی حرکت کے نتیجے میں وہ اتنا قریب آجائیں گے کہ ہمیں وہ دیکھ سکیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ دو، جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ روایت اس قرآنی آیت کی تصدیق کرتی ہے۔ تصدیق کا لفظ تو درست نہیں۔ قرآن کریم اس روایت کی تصدیق کرتا ہے کہنا چاہئے۔ مگر طرزِ بیان میں معمولی سا فرق ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حضور اکرمؐ کے متعلق فرماتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج خدا ہمارے ساتھ ہے۔ جو الفاظ راوی کو یاد رہے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے بیان کئے تھے۔ وہ یہ تھے ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن دو کے ساتھ تیسرا خدا ہو۔ تو مَعَنَا کا مضمون ہی ہے اور قرآن کی گواہی ہی دراصل قابل اعتماد گواہی ہے۔ مضمون ایک بھی ہو روایت کا جو فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے قرآن کریم کے الفاظ ہی میں آنحضور ﷺ نے یہ فرمایا ہوگا اور ان الفاظ کا ترجمہ راوی نے یوں کر دیا ہے۔ ان دو کا کیا حال ہوگا جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو۔

پس توحید کے نتیجے میں محض خطرات سے مقابلے کی جرأت ہی پیدا نہیں ہوتی اور ہر چیز قربان کرنے کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ جب خدا کی حفاظت میں انسان ایک سفر اختیار کرتا ہے یا کوئی کام بھی اس یقین کے ساتھ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا سایہ نصیب ہو۔ تو پھر بڑے سے بڑا خطرہ بھی انسان کے دل کو دہلا نہیں سکتا۔ کامل توکّل پیدا ہوتا ہے اور بھاگنے والوں کے دل میں توکّل نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے میں نے کہا کہ غار ثور میں جو واقعہ ہوا ہے ایک عظیم الشان گواہی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آپؐ کے خدا تعالیٰ سے تعلق اور آپؐ کے توکّل پر ہے۔ جو شخص بھاگ رہا ہو۔ اس کو تو ذرا سا بھی خطرہ دکھائی دے تو اس کی جان نکلنے لگتی ہے وہ سمجھتا ہے مارے گئے اور پکڑے گئے۔ لیکن دشمن سامنے کھڑا ہو اس کے پاؤں دکھائی دے رہے ہوں دشمن کو معلوم ہو کہ

اور کوئی راستہ ہے ہی نہیں ۔ آئے ہیں تو یہاں آئے ہیں اور اس وقت آنحضور ﷺ کا یہ کہنا کہ ابوبکرؓ گھبراتے کیوں ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ کامل توکّل کی نشاندہی کرتا ہے اور ایسا توکّل کسی بھاگنے والے کے دل میں پیدا نہیں ہوتا، ناممکن ہے۔

پس عظیم گواہی ہے غار ثور کی گواہی، جو قیامت تک خدا کی توحید پر بھی گواہی دیتی رہے گی اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کے مؤحد ہونے پر بھی گواہ رہے گی۔ آپؐ کامل توحید کے جذبے سے سرشار تھے۔ آپؐ کی توحید میں کوئی جھول نہیں تھا، کسی قسم کی لغزش نہیں تھی، لرزش نہیں تھی۔ انتہائی خطرے کے وقت توحید آزمائی گئی اور اسی طرح ثابت قدم رہی۔ پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے جو توحید بنی نوع کو عطا فرمائی ہے آپؐ کے وجود کا ذرّہ ذرّہ، آپؐ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس پر گواہ رہا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

> ”آج صفحۂ دنیا میں وہ شئے کہ جس کا نام توحید ہے بجز امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی فرقہ میں نہیں پائی جاتی اور بجز قرآن شریف کے اور کسی کتاب کا نشان نہیں ملتا کہ جو کروڑ ہا مخلوقات کو وحدانیت الٰہی پر قائم کرتی ہو اور کمال تعظیم سے اس سچے خدا کی طرف رہبر ہو۔ ہر یک قوم نے اپنا اپنا مصنوعی خدا بنالیا اور مسلمانوں کا وہی خدا ہے جو قدیم سے لازوال اور غیر مبدل اور اپنی ازلی صفتوں میں ایسا ہی ہے جو پہلے تھا۔“

(براہین احمدیہ حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ ۱۱۷ تا ۱۱۸)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

> ”توحید کا وعظ کر کے سب قوموں اور سارے فرقوں اور تمام جہان کے لوگوں کو جو شرک میں ڈوبے ہوئے تھے مخالف بنالیا جو اپنے اور خویش تھے ان کو بت پرستی سے منع کر کے سب سے پہلے دشمن بنایا۔۔۔“

توحید اور توکّل کا مضمون یہ اکٹھا چلتا ہے۔ جتنا زیادہ کوئی مؤحد ہو اِتنا ہی زیادہ متوکّل ہوتا چلا جائے گا اور جتنا زیادہ متوکّل ہو اتنا ہی انسان بے خوف بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان چیزوں کا آپس میں ایک لازم وملزوم کا سا تعلق ہے۔ کامل توحید کامل توکّل پیدا کرتی ہے۔ کامل توکّل، کامل بے خوفی

پیدا کرتا ہے اور استغناء پیدا کرتا ہے۔ غیر اللہ سے انسان ان کی بھلائی چاہتے ہوئے بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے یعنی جہاں تک ان کی بھلائی کا تعلق ہے، ان کے مفادات کا تعلق ہے انسان ان کے لئے اپنی جان گھلاتا رہتا ہے۔ ان کے غم میں خود گھلتا رہتا ہے۔ جہاں تک ان کے شرّ کا تعلق ہے ان سے کلیۃً بے نیاز اور بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ پس بیک وقت توحید بنی نوع انسان کی گہری ہمدردی بھی پیدا کرتی ہے اور ساتھ ہی ان سے استغناء بھی عطا کرتی ہے کیونکہ توکّل کے نتیجے میں یہ استغناء نصیب ہونا ایک لازم بات ہے۔ پس فرمایا کہ وہ جو لوگوں کو خلاف بناتے چلے گئے توحید کی خاطر۔ یہ بتاتا ہے کہ آپؐ کا خدا صرف ایک ہی تھا۔ دنیا کی کسی طاقت پر آپؐ کا کوئی انحصار نہیں تھا ورنہ کسی کو تو اپنا رہنے دیتے، کسی کو تو دوست بنا کر چلتے۔ سب کو ایسی باتیں کہیں توحید کی خاطر، جو ان کو کسی نہ کسی پہلو سے بری لگتی تھیں۔ پس ہر ایک کو اپنا دشمن بنا لینا توحید کے لئے یہ کامل توکّل کی نشاندہی کرتا ہے اور کامل توحید کے بغیر یہ توکّل نصیب نہیں ہوسکتا۔

> ’’۔۔۔ اپنے اور خویش تھے ان کو بت پرستی سے منع کر کے سب سے پہلے دشمن بنایا۔ یہودیوں سے بھی بات بگاڑ لی کیونکہ ان کو طرح طرح کی مخلوق پرستی اور پیر پرستی اور بداعمالیوں سے روکا۔ حضرت مسیحؑ کی تکذیب اور توہین سے منع کیا جس سے ان کا (یعنی ان یہودیوں کا اور مشرکوں کا) نہایت دل جل گیا اور سخت عداوت پر آمادہ ہو گئے۔۔۔‘‘

حضرت عیسیٰ کی تکذیب سے اس قوت کے ساتھ منع فرمایا ہے اور ایسی تنبیہ اور توبیخ کی ہے یہود کو کہ اس کے نتیجے میں یہود آپؐ کے دشمن ہو گئے اور جہاں تک عیسائیوں کا تعلق ہے۔

> ’’۔۔۔ اسی طرح عیسائیوں کو بھی خفا کر دیا گیا کیونکہ جیسا کہ ان کا اعتقاد تھا (کے موافق) حضرت عیسیٰ کو نہ خدا نہ خدا کا بیٹا قرار دیا اور نہ ان کو پھانسی مل کر دوسروں کو بچانے والا تسلیم کیا۔۔۔‘‘

اس طرح عیسائیوں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ عیسیٰ کی خاطر یہود کو دشمن بنایا اور توحید کی خاطر عیسائیوں کو دشمن بنا لیا۔ پھر فرمایا۔ عیسیٰ کی خاطر نہیں کہنا چاہئے حق کی خاطر، سچائی کی خاطر۔ پھر فرماتے ہیں۔

”۔۔۔آتش پرست اور ستارہ پرست بھی ناراض ہو گئے کیونکہ ان کو بھی ان کے دیوتوں کی پرستش سے ممانعت کی گئی اور مدار نجات کا صرف توحید ٹھہرائی گئی۔“ (براہین احمدیہ حصہ دوم۔ روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ ۱۰۹)

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”ہمارے نبی ﷺ اظہار سچائی کے لئے ایک مجدد اعظم تھے جو گم گشتہ سچائی کو دوبارہ دنیا میں لائے۔ اس فخر میں ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نبی شریک نہیں کہ آپؐ نے تمام دنیا کو ایک تاریکی میں پایا اور پھر آپؐ کے ظہور سے وہ تاریکی نور سے بدل گئی۔ جس قوم میں آپؐ ظاہر ہوئے۔ آپؐ فوت نہ ہوئے جب تک اس تمام قوم نے شرک کا چولہ اتار کر توحید کا جامہ نہ پہن لیا۔“

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۲۰۶)

پھر فرماتے ہیں:۔

”یادرہے کہ حقیقی توحید جس کا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جس کے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو، خواہ انسان ہو، خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر و فریب ہو (اس سے) منزہ سمجھنا۔۔۔“

یہ سب بت ہیں غیر اللہ کے مظاہر ہیں۔ ان سب سے پرہیز کے بغیر، ان سب سے قطع تعلقی کے بغیر سچی توحید نصیب نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ غور سے اس کو پھر سنئے۔

”ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو، خواہ انسان ہو، خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر و فریب ہو منزہ سمجھنا اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا (یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو قادر تجویز نہ کرنا) کوئی رازق نہ ماننا (یہ یقین رکھنا کہ رزق اسی سے عطا ہوتا ہے اور وہی بہتر اور پاک رزق ہے جو خدا عطا کرتا ہے) کوئی معزّ اور کوئی مذِلّ خیال نہ کرنا۔ (یہ نہ سمجھنا کہ کوئی غیر اللہ ہماری عزت لوٹا سکتا ہے یا کوئی غیر اللہ ہمیں ذلیل کرسکتا ہے۔) کوئی ناصر

اور مددگار قرار نہ دینا۔ (خدا ہی کو حقیقت میں تمام نصرت کا سرچشمہ سمجھنا، تمام مدد کا سرچشمہ سمجھنا اور اس کے سوا کسی کو ناصر اور مددگار قرار نہ دینا) اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا۔ (انسان کی محبت خدا تعالیٰ کے لئے خاص ہو جائے) اپنی عبادت اسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلّل اسی سے خاص کرنا۔۔۔‘‘

تذلل خاص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انسان کی انسان چاہے عزت کرے مگر اس کے سامنے تذلل اختیار نہ کرے، جھکے نہیں اس کے سامنے گریہ وزاری نہ کرے، اس سے منت سماجت کر کے نہ مانگے کیونکہ یہ سارے ہی شرک کی قسمیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کے لئے تذلل کو خاص کرنا ایک بہت ہی اہم چیز ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے ایک غزوہ کے دوران سفر میں یہ واقعہ پیش آیا۔ تو ایک مشرک آیا تو اس نے سوتے میں آپؐ کی تلوار اٹھائی تلوار سونت کے سر پر کھڑا ہو گیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کو جگا کے پوچھا بتاؤ اب تمہیں میری تلوار سے کون بچا سکتا ہے۔ آپؐ اسی طرح آرام سے لیٹے رہے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ۔ اِس کی ایسی ہیبت اس کے دل پر طاری ہوئی وہ لرز اٹھا اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آنحضرت ﷺ نے وہی تلوار پکڑی اور فرمایا اب بتاؤ تمہیں اس تلوار سے کون بچائے گا۔ اس نے منت سماجت شروع کی۔ آپؐ مجھے معاف فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ نہیں۔ خدا ہی ہے جو بچائے گا وہی بچاتا ہے۔ پس منت سماجت کو خدا کے لئے خاص رکھنا اور کسی اور انسان کے سامنے اپنی جان کی خاطر بھی نہ جھکنا۔ یہ توحید خالص ہے جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کر رہے ہیں۔ یہ تمام صفات وہ ہیں جو بدرجہ اتم حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ میں پائی جاتی تھیں۔

’’۔۔۔اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا۔۔۔‘‘

غیروں سے کوئی امید اِن معنوں میں نہ رکھنا کہ گویا وہی سہارا ہیں۔ ثانوی طور پر، ظلّی طور پر انسان، انسان سے امیدیں باندھتا ہے مگر جب انسان امیدوں کو توڑتا ہے تو اس کے ساتھ موحد کا دل نہیں ٹوٹا کرتا۔ جو مشرک دل رکھتے ہیں ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں کیونکہ ان کی امیدیں اسی شخص سے وابستہ ہوتی ہیں جس نے امیدوں کو حسرتوں میں بدل کر ان کے دل توڑ دیئے ہیں مگر جس کی امیدیں خدا سے وابستہ ہوں۔ اگر انسان سے وہ امیدیں پوری نہ ہوں تو انسان اور زیادہ بے نیازی

کرتا ہے۔ دل اس کا سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ یہ بھی ایک عارضی سا سہارا بنا ہوا تھا یہ بھی ٹوٹ گیا۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں، میرا سہارا تو خدا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو توحید کا نقشہ کھینچ رہے ہیں اس کو غور سے پڑھنے سے توحید کا گہرا عرفان نصیب ہوتا ہے۔

''۔۔۔اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔۔۔''

کئی قسم کے خوف کے مقامات آتے ہیں۔ اگر انسان مؤحد ہو تو ہر خوف کا مقام، مقامِ امن میں بدل سکتا ہے کیونکہ خوف صرف خدا کا ہے۔ اگر خدا کا خوف دل میں ہو تو ہر دوسرا خوف زائل ہو جاتا ہے اس کی پرواہ کوئی نہیں رہتی۔

توحید کیسی امن کی تعلیم ہے۔ توحید کے دامن میں آ کر ہر دوسرے دامن سے نجات مل جاتی ہے اور کامل امن دنیا میں انسان کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کو پتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی بندہ مجھے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا جب تک اس کی اجازت نہ مل جائے، اس کا اذن نہ ہو۔ یہ جو مضمون ہے ان ہی لوگوں کے حق میں صادق آتا ہے۔ جو مؤحد ہوتے ہیں ورنہ دنیا میں جن کا تعلق توحید کے ذریعے نہیں ہے ان کی خدا تعالیٰ کو کیا پرواہ ہے؟ وہ لوگ ایک دوسرے کے ظلم کے ساتھ کاٹے جائیں، زندہ رہیں یا بچ رہیں۔ ان کی زندگیاں ان کا مرنا سب بے حقیقت ہوتا ہے۔ یہ مضمون جو ہے خوف والا۔ یہ مؤحد بندوں پر صادق آتا ہے، جو مؤحد ہوں جو خدا تعالیٰ پر توکل رکھتے ہوں، جو خدا کی خاطر غیر اللہ کا خوف دل سے نکال دیں، ان کے متعلق خدا کے اذن کے سوا کسی کو اختیار نہیں ہوتا کہ انہیں کوئی گزند پہنچا سکے اور جب گزند پہنچتا ہے تو کامل شرح صدر کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ یہ میرے اللہ کی اجازت سے ہوا ہے اس لئے ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ عاشق اپنے معشوق کی رضا پر ہمیشہ راضی رہتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

''۔۔۔پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہو سکتی۔ (وہ کون سی تین قسمیں ہیں؟) اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔''

کچھ ایسے الفاظ ہیں جو عام طور پر اردو سمجھنے کے باوجود بعض لوگ نہیں سمجھ سکتے اس لئے ان

کی مزید وضاحت کرتا ہوں۔فرماتے ہیں ’’توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا‘‘ یعنی دیکھتے ہوئے کہ چیزیں موجود ہیں لیکن اتنا عرفان رکھنا کہ یہ چیزیں اپنی ذات میں نہیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے محض خدا تعالیٰ کے اذن سے لٹکی چیزیں ہیں جہاں اذن ختم ہوا یہ چیزیں معدوم ہو گئیں ان کی کوئی بھی حقیقت باقی نہیں رہے گی۔

یہ وہی مضمون ہے جس کے متعلق پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابیؓ کے کشف کی صورت میں میں نے بات جماعت کو سمجھائی تھی۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابیؓ جو پٹھان افغان مہاجر تھے۔ بزرگ صاحب کہلاتے تھے۔ بہت ہی بزرگ صاحبِ کشف والہام انسان تھے۔ ان کے دل میں عجیب عجیب قسم کے سوال اٹھا کرتے تھے جن کو وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر حل کیا کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کا ان سے ایسا تعلق تھا کہ وہ ادھر سوال کیا ادھر اللہ تعالیٰ ان کو جواب بھی دے دیتا تھا۔ایک دفعہ انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ اے خدا تو کہتا ہے تو ایک ہے اور کوئی بھی نہیں یہ دنیا کیا ہے، ساری کائنات کیسی ہے؟، بے شمار حشرات الارض ہیں ان کو کوئی گن اور شمار نہیں کرسکتا۔ بے شمار مخلوقات ہیں اور پھر کائنات تو اتنی وسیع ہے کہ ہمارا تصور بھی اس کے کناروں تک نہیں پہنچ سکتا۔ پھر وہ ساری کائنات بے شمار ذرّوں پر مشتمل، اتنا بھاری وجود ہم دیکھ رہے ہیں جو بے شمار وجودوں میں منقسم ہے اور تو کہتا ہے کہ تیرے سوا اور کوئی وجود نہیں۔تو مجھے سمجھا تو سہی کہ یہ ہے کیا؟ یعنی توحید ان معنوں میں کہ تیرے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔اس کا یقین میرے دل میں عرفان کے ساتھ پیدا فرما دے، یقین تو ہے مگر طمانیت قلب چاہتا ہوں۔اسی حالت میں آپ پر کشفی حالت طاری ہوئی۔آپ نے دیکھا کہ ایک کلاس روم میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سامنے Black Board کے ساتھ اللہ تعالیٰ کھڑا ہے اور استاد بن کر ان سے گفتگو فرما رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ دیکھو میں لکھتا ہوں پھر چاک سے کچھ لکھا اور پوچھا بتاؤ یہ کیا ہے۔1 لکھ دیا۔انہوں نے کہا یہ ایک ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ٹھیک ہے ایک ہی ہے اور اس کے ساتھ نیچے بہت سے زیرو لکھنے شروع کر دیئے ہر زیرو پر اللہ تعالیٰ پوچھتا تھا کہ بتاؤ یہ کیا ہے۔0،صفر کچھ بھی نہیں۔ پھر ایک اور صفر لکھ دیا، پھر ایک اور صفر لکھ دیا، پھر ایک اور صفر لکھ دیا۔ یہاں تک کہ جب بہت سے صفر لکھے گئے تو ان میں سے ایک صفر کو اٹھا کر ایک کے دائیں طرف کر دیا۔اب بتاؤ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا دس۔ایک اور صفر دائیں طرف لگا دیا اب بتاؤ یہ

کیا ہے؟ انہوں نے کہا سو (100)۔ایک اور صفر دائیں طرف لگا دیا اب بتاؤ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہزار یہاں تک کہ Black Board ختم ہو گیا اور وہ گنتی شمار میں نہیں آ سکتی تھی۔اس حالت میں کشف ختم ہوا۔تب ان کو سمجھ آئی کہ باقی کائنات کی حیثیت کیا ہے۔لامتناہی وجود ہیں گنتی میں مگر جب تک خدا کے دائیں طرف ہیں اس وقت تک ان کا وجود دکھائی دے گا۔جب وہاں سے ہٹے یا معزول ہوئے ان کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہے گی۔**پس ایک، ایک ہی ہے اور اس کے مقابل پر باقی سب صفر ہے۔وہ خدا تعالیٰ کے تعلق کے نتیجے میں دکھائی دیتے ہیں۔اس کے بغیر اپنی ذات میں دکھائی نہیں دے سکتے۔**

پس یہی مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمارہے ہیں کہ

''اوّل یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔۔۔''

ہالکۃ الذات کا مطلب ہے ان کی ذات میں ہی ان کی ہلاکت داخل ہے۔ ہر چیز جو وجود میں آتی ہے اس کا عدم ہو جانا اس کے وجود میں منقش ہوتا ہے، لکھا جاتا ہے اور کوئی چیز بھی ہمیشہ کے لئے نہیں ہے اور باطل فی الحقیقت، وہ کچھ بھی نہیں ہیں، وہ صفر ہی ہیں۔اللہ ہی ہے جو ان صفروں کو کوئی قدر بخش دے ورنہ اس کے سوا ان صفروں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

''۔۔۔دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا۔۔۔''

صفات کے لحاظ سے توحید کے متعلق فرماتے ہیں ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا۔یہ بہت اہم مضمون ہے دیکھیں اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔رب العالمین سے سب سے زیادہ تعلق حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا ہوا لیکن آپؐ کو رب نہیں قرار دیا گیا۔ آپؐ کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ قرار دیا گیا ہے۔حالانکہ سورۃ فاتحہ میں پہلا تعارف رب کا ہوا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ (الفاتحہ:۲-۳) الرَّحْمٰنِ کی صفت سے آپؐ کو متصف فرما دیا گیا یعنی رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی شکل میں اور رحیمیت کی صفات بھی آپؐ کے حق میں بیان فرمائی گئیں۔بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ:۱۲۸) آپؐ

کو رؤف بھی خدا تعالیٰ نے قرار دے دیا، رحیم بھی قرار دے دیا۔ مگر رب قرار نہیں دیا کیونکہ حقیقی ربوبیت خدا کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ اسی طرح الوہیت بھی ایک صفت تنزیہی ہے ایسی صفت ہے جس میں اور کوئی شریک نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دو صفات ہیں، جن کو خاص طور پر توحید کے ذکر میں چنا ہے۔ فرماتے ہیں یعنی کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رساں نظر آتے ہیں۔ وہ لوگ جن سے انسان کے ذرائع معاش وابستہ ہیں جو دیکھنے میں کوئی احسان کرنے والے وجود دکھائی دیتے ہیں۔ یہ یقین رکھنا کہ یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے تم تک فیض پہنچانے کے ذریعے بنا رکھے ہیں۔ اپنی ذات میں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

> ’’۔۔۔تیسرے اپنی محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید یعنی محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گرداننا اور اسی میں کھوئے جانا۔‘‘

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۴۹۔۳۵۰)

اس کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف جگہ قرآن یا آنحضرت ﷺ کے حوالے سے پیش فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

> ’’اے غافلو اور دلوں کے اندھو! قرآن جیسے ضلالت کے طوفان کے وقت میں آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت میں نہیں آیا۔۔۔‘‘

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۵۶)

اب یہاں یہ فقرہ قابل غور ہے اور بہت ہی پر لطف ہے۔ انبیاءؑ کا ذکر نہیں فرمایا قرآن کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں ’’اے غافلو اور دلوں کے اندھو! قرآن جیسے ضلالت کے طوفان کے وقت میں آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت میں نہیں آیا‘‘ یعنی دراصل حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کو ایک ہی چیز کے دو نام قرار دے دیا۔ ایک وہ قرآن ہے جو پیغام الٰہی کی صورت میں ہے، ایک وہ قرآن ہے جو آنحضرت ﷺ کی اس ذات کی صورت میں ہے جو مجسم پیغام الٰہی ہے یعنی تمام قرآن کی صفات آنحضرت ﷺ کے دل میں دھڑکتی تھیں، آپؐ کے خون میں جاری تھیں، آپؐ کی

رگ رگ میں پیوستہ تھیں۔ آپؐ کی صفات حسنہ قرآن ہی کی صفات کا دوسرا جلوہ تھا۔ پس ایک چھوٹے سے لفظ کے استعمال سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کتنا گہرا مضمون بیان فرما دیتے ہیں۔ تبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ’’جو شخص میری تحریرات کو تین دفعہ نہیں پڑھتا اس میں مخفی تکبر پایا جاتا ہے‘‘ (سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۳۶۵) یعنی اتنی توجہ نہیں دیتا، اتنا مرتبہ نہیں ان کا سمجھتا، اس میں مخفی تکبر پایا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم ایک دو دفعہ پڑھ کے دیکھ لو تمہیں بہت سی باتیں نہیں سمجھ آئیں گی۔ پھر پڑھو، پھر پڑھو اور غور سے پڑھو۔ ٹھہر ٹھہر کر، تب تمہیں سمجھ آئے گی میں کہنا کیا چاہتا ہوں۔ فرمایا:

> ’’قرآن جیسے ضلالت کے طوفان کے وقت میں آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت میں نہیں آیا اس نے دنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی ۔۔۔‘‘

اب یہاں لفظ ’’اس‘‘ جو ہے یہ دونوں طرف جا رہا ہے۔ قرآن کی طرف بھی اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی۔

> ’’۔۔۔اس نے دنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی اور گمراہ پایا اور ہدایت دی اور مردہ پایا اور جان عطا فرمائی ۔۔۔‘‘

یہ تمام وہ باتیں ہیں جو قرآن کریم نے، قرآن کریم کی طرف بھی منسوب فرمائی ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی منسوب فرمائی ہیں۔ پس ایک چھوٹا سا لفظ بھی یعنی بیچ میں ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل کر فقرے میں ضمیر کو اس طرح پھیر دیا ہے کہ دونوں طرف برابر چسپاں ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

> ’’۔۔۔تو کیا ابھی ضرورت ثابت ہونے میں کسر رہ گئی اور اگر یہ کہو کہ توحید تو پہلے بھی موجود تھی۔ قرآن نے نئی چیز کون سی دی؟ تو اس سے اور بھی تمہاری عقل پر رونا آتا ہے۔ میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ توحید پہلی کتابوں میں ناقص طور پر تھی اور تم ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ کامل تھی ۔۔۔‘‘

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۵۶)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام توحید کے ساتھ اپنے تعلق کو ان لفظوں میں ظاہر

فرماتے ہیں۔

''میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔''

مغربی ممالک میں جو عیسائی ممالک ہیں۔ ان میں بسنے والے احمدیوں کے لئے یہ پیغام بہت غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہر دم اس فکر میں تھے اگر آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو آپ کیوں اس فکر میں غلطان نہیں رہتے؟ فرماتے ہیں:

> ''میں ہر دم اس فکر میں ہوں کہ ہمارا اور نصاریٰ کا کسی طرح فیصلہ ہو جائے۔ میرا دل مردہ پرستی کے فتنے سے خون ہوتا ہے اور میری جان عجیب تنگی میں ہے۔۔۔''

اب یہ جو فقرہ ہے، کوئی شریف النفس انسان اس کو پڑھ کر جھوٹے کا فقرہ قرار نہیں دے سکتا۔ عجیب اس میں صداقت کی طاقت ہے کیسا گہرا درد ہے فرماتے ہیں:

> ''۔۔۔میری جان عجیب تنگی میں ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا دلی درد کا مقام ہوگا کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا ہے اور ایک مشتِ خاک کو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سمجھا گیا ہے۔ میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولا اور میرا قادر و توانا خدا مجھے تسلّی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔۔۔ وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا۔۔۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۷)

جہاں پہلی نصیحت میں آپ کے لئے لمحہ فکریہ ہے اور اپنے دلوں کو ٹٹولنے کا ایک موقع ہے آپ کو چاہئے کہ اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فکر سے کیا آپ نے بھی حصہ پایا ہے۔ کیا آپ کی جان بھی اس طرح تنگی محسوس کرتی ہے۔ ہر طرف اپنے ماحول میں، اپنے گرد و پیش ایسے لوگوں کو دیکھتے ہوئے جن کے دلوں میں ایک عام انسان خدا کے ایک عاجز بندے کو خدا بنا کر دکھا دیا گیا اور عیسائیت نے یہ ظلم کیا ہے۔ خدا کے بندوں کے دلوں میں خدا کا ایک اور بندہ بٹھا دیا ہے کہ یہی تمہارا خدا ہے اور عاجز انسان کو رب العالمین بنا دیا گیا ہے۔ اگر آپ کے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہیں ہوتی۔ کوئی غم اور فکر آپ کی جان کو کھانے نہیں لگتا تو آپ کا تعلق

اسی قدر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے کمزور پڑ چکا ہے۔ اس تعلق کو مضبوط کرنا ضروری ہے کیونکہ اس دنیا کے فیض رساں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنایا گیا ہے اور جتنا آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزاج کے قریب ہوں جتنا آپؑ کے جذبات کو اپنائیں اسی قدر آپ دنیا کے فیض رساں بن سکتے ہیں۔ پس فرماتے ہیں

''میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا۔ اگر میرا مولا اور میرا قادر و توانا خدا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔''

دوسرا پیغام آپ کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری ہے کہ آپ کے ذریعے توحید کو مغرب میں فتح نصیب ہوگی۔ یہ مقدر ہو چکا ہے۔ غم لگانے کی دیر ہے، فکر کرنے کی دیر ہے۔ سچا غم لگائیں تو خدا تعالیٰ ساتھ ہی خوشخبری دے رہا ہے کہ توحید کا سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ یہ تبھی طلوع ہوگا کہ آپ کے دلوں سے اٹھنا شروع ہو اور اپنے ماحول کو جگمگانے لگے۔ یہ وہ سورج ہے جو ہر دل سے اٹھ سکتا ہے۔ یہ کوئی ایسا سورج نہیں ہے جو بظاہر باہر سے چمکتا ہے۔ یہ دلوں سے اٹھنے والا سورج ہے اور جس کے دل سے توحید کا سورج اٹھے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی گئی ہے کہ مغرب میں بسنے والے احمدیوں کے دل سے جب توحید کا سورج اٹھے گا۔ تو مقدّر ہے کہ وہ اپنے ماحول کو توحید سے روشن کر دے۔ پس بہت بڑی خوشخبری ہے اس لئے عیسائیت کے غلبے سے مایوس ہونے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے غار ثور میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو مغرب کے اندھیروں میں یہ خوشخبری دے رہے ہیں کہ ہرگز فکر نہ کرنا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے اور ضرور مغرب سے توحید کا سورج طلوع ہوگا اور تمام دنیا کو منور کرے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی بنتا ہے کہ بعید نہیں کہ اہل مغرب اہل مشرق کے مقابل پر جلد تر توحید کے غلام بن جائیں اور توحید کے عاشق ہو جائیں اور چونکہ دنیاوی لحاظ سے ان قوموں کو خدا تعالیٰ نے بہت سی عظمتیں بخشی ہیں، بہت سی ایسی صلاحیتیں ہیں جن کو انہوں نے اپنی محنت سے صیقل کر لیا ہے کہ جب یہ مؤحد بن جائیں گے تو پھر لازماً تمام دنیا پر توحید اس طرح یورش کرے گی کہ جیسے چڑھتا ہوا سورج تمام دنیا پر غالب آجایا کرتا ہے۔

پس ایک یہ مفہوم ہے مغرب سے توحید کے سورج طلوع ہونے کا۔ فرماتے ہیں۔

> ”اگر میرا مولا اور میرا قادر و توانا خدا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔ وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا۔“

اب بتائیں کہ یہ کسی انسان کا کلام ہوسکتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مشرق میں بیٹھے ہوئے، اکثر مسلمانوں کی اکثریت مشرق میں موجود، سارا دینی جہاد مشرق سے شروع ہوا ہے اور فرماتے ہیں خدا مجھے یہ تسلی دیتا ہے کہ مغرب سے توحید کا سورج طلوع ہوگا۔ کسی انسان میں ادنیٰ سی شرافت اور حیا ہو تو وہ اس فقرے کو پڑھنے کے بعد مسیح موعود علیہ السلام کو جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ نفس کی باتیں ہی نہیں ہیں۔ خدا کا کلام ہے جو اسی طرح آپؑ کے دل پر نازل ہوا اور اسی طرح آپؑ نے ہمارے سامنے رکھ دیا۔ مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتا لگے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی ان خوشخبریوں پر کامل یقین رکھیں اور توکّل رکھیں، خود مؤحد بن جائیں پھر دیکھیں کہ کس طرح دیکھتے دیکھتے مغرب کی کایا پلٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو۔ (امین)

اس کا باقی حصہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبے میں پیش کروں گا۔ اب چونکہ اس جمعے کے معاً بعد ناروے کا جو میرا خطبہ تھا۔ وہ ایک اہم پیغام بھی رکھتا ہے۔ وہ آپ کو سنایا جانا ہے۔ اس لئے میں اس خطبے کو یہاں ختم کرتا ہوں اور نماز کے بعد احباب بیٹھے رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ناروے کا خطبہ بھی آپ سن سکیں گے۔